KitaabPoint.blogspot.com

مضبوطی کے ساتھ اپنی انگلیاں میری انگلیوں میں جکڑ لیتی۔

خدا خدا کر کے گھر کی دہلیز آئی۔ جب شکریہ ادا کر کے اندر جانے لگی تو میں نے یونہی دگی میں ایک فقرہ لڑھکا دیا۔ ''تم نے میرا ہاتھ پکڑا ہے۔''

''پھر'' اس نے فوراً ہی پلٹ کر کہا۔

''بس اب چھوڑ نا مت۔''

بس اچانک ہی اسے کچھ ہوا۔ کچھ شوخ سی نظروں سے مجھے دیکھا۔ ساتھ میں انگوٹھا دکھایا اور سٹاک سے اندر چلی گئی۔ میں تو ہکا بکا رہ گیا۔

کن مشکلوں سے واپس آ کر میں رکشہ میں بیٹھا اور پھر مجھے پتہ نہیں چلا کہ بارش ہو رہی ہے یا نہیں ہو رہی اور رکشا والا کن راستوں سے ہو کر جا رہا ہے۔ عشرت نے یہ جو چھب دکھائی تھی وہ میرے تصور میں ایسی کھب گئی تھی کہ بس میں اسی میں گم ہو کر رہ گیا۔ رات کو نیند بھی مشکل ہی سے آئی۔ بس وہی تصور بندھا رہا۔ اگلے دن میں سب سے پہلے دفتر پہنچنے والوں میں تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد عشرت بھی آ گئی۔ دفتر سب سے پہلے وہ پہنچا کرتی تھی۔ آج میں اس سے پہلے پہنچا۔ اچھا ہی ہوا۔ ابھی دوسرے لوگ نہیں آئے تھے۔ اس لئے چند گھڑیاں خلوت کی میسر آ گئیں۔

''جواد صاحب' کل کی لفٹ کے لئے بہت بہت شکریہ۔ اس کے بعد تو پھر بارش شروع ہو گئی تھی۔ آپ لفٹ نہ دیتے تو پتہ نہیں میرا کیا حال ہوتا۔ تو ایک دفعہ پھر شکریہ۔''

''شکریہ تو مجھے بھی ادا کرنا چاہیے۔''

''وہ کس بات کا؟''

''انگوٹھا دکھانے کا۔''

اس پر کھلکھلا کر ہنسی۔ ''جواد صاحب' سوری۔''

''لو اس میں سوری ہونے کی کیا بات ہے۔ مجھے تو ایک ہی شکایت ہے۔''

''کیا؟''

''تمہارے پاس دکھانے کے لئے ایک انگوٹھا ہی رہ گیا تھا۔''

KitaabPoint.blogspot.com

''پھر کیا آنکھیں دکھاتی۔''

''نہیں۔چھب دکھاتیں۔''

منہ بگاڑ کر''ہوں' چھب دکھاتیں۔''اور ساتھ ہی میں کس شوخی سے زبان نکال کے دکھائی۔''

میں پھر گھائل ہوگیا۔وہ پتلی سی لال لال زبان' کتنی اچھی لگ رہی تھی۔میں ہنس دیا۔''زبان دکھانا کوئی ضروری نہیں۔مجھے پتہ ہے کہ تم اہل زبان ہو۔ویسے کہاں کی ہو۔لکھنو کی۔''

فوراً ہی تڑپ کر بولی''ہم کیوں ہوتے لکھنو کے۔ہم دلی کے ہیں۔''

''ارے' دلی کی ہو۔پھر تو مارے گئے۔''میں نے برجستہ کہا۔

''کیوں''مارے کیوں گئے۔''وہ تجسس سے بولی۔

''کچھ نہیں۔بس یونہی۔اصل میں ایک شاعر نے جو وارننگ دی تھی وہ مجھے یاد آ گئی۔''

''کیسی وارننگ؟''

''مصحفی نے اپنے ایک شعر میں یہ وارننگ دی تھی۔''

اے مصحفی تو ان سے محبت نہ کیجو
ظالم غضب کی ہوتی ہیں یہ دلی والیاں

''نان سنس۔یہ کون بیہودہ شاعر تھا؟''

''ایک امروہے والا تھا۔''

''جب ہی''پھر رک کر بولی۔آپ نے بہت ولگر شعر سنایا ہے۔اب آپ سے بات نہیں ہوگی۔''

میں صفائی پیش کرنے لگا تھا کہ سٹاف والے آنے شروع ہوگئے۔میں بس فوراً ہی اٹھ کر اپنی سیٹ پر آن بیٹھا۔

بس پھر جیسے ہمارے باہمی تعلق میں ایک انقلاب آ گیا ہو۔پہلے تو خالی دفتری تعلق تھا۔باتیں ہوتی تھیں مگر اس طرح جس طرح دفتر میں ساتھ کام کرنے والے ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہیں۔ساتھ بیٹھ کر چائے پیتے ہیں۔ہنستے بولتے ہیں۔زیادہ بے تکلفی ہوئی تو تھوڑی فقرہ بازی بھی۔خیر میرے اس کے دفتری تعلق میں اتنی بے تکلفی کبھی نہیں آئی تھی کہ ہم ایک دوسرے پر فقرہ کستے۔مگر وہ جو انگوٹھا دکھانے کا واقعہ عظیم تھا اس نے تو جیسے ہمارے باہمی تعلق کی کایا کلپ ہی کر دی۔ایک عجب قسم کی بے تکلفی آ گئی اور ساتھ ہی

KitaabPoint.blogspot.com

میں ایک طرح کی جھجک بھی۔ بات کرتے کرتے اچانک گمان گزرتا کہ شاید ساتھ میں کام کرنے والوں میں سے کوئی دیکھ رہا ہے۔ کہیں بھانپ نہ لے۔ اور ہم فوراً ہی چپ ہو جاتے۔ مگر کیا بھانپ لے کیا کوئی ایسی بات ہے۔ نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ نہیں۔ پھر۔ بہر حال اسی قسم کے اندیشے اور وسوسے اب ستانے لگے تھے۔

ایک روز میں نے باتوں باتوں میں پوچھ لیا۔ ''ہمارے باس مرزا صاحب بھی تو دلی ہی کے ہیں۔ کیا ہوتے ہیں تمہارے۔''

''دور کے رشتے سے ہمارے پھوپھا جانی ہوتے ہیں۔''

''دور کا رشتہ ہے نا؟''

''جی۔''

''تو پھر تو وہ کھنڈت نہیں ڈالیں گے۔''

''کھنڈت۔ کس بات میں؟'' اس نے چکرا کر پوچھا۔

''مطلب یہ ہے کہ ہمارا جو.....'' سمجھ میں نہ آیا کہ آگے کیا کیوں۔ چپ ہو گیا۔

''میں سمجھی نہیں۔'' وہ تھوڑی سی گھبرائی ہوئی تھی۔

''اب میں کیسے سمجھاؤں۔''

وہ بالکل چپ ہو گئی۔

بہر حال پھر بات خود بخود سمجھ میں آتی چلی گئی۔

کھنڈت ڈالنے کی کوشش اصل میں مجو بھائی نے کی۔ پتہ نہیں ان کے کان میں کیسے بھنک پڑ گئی۔ شاید انہوں نے ہمیں کسی بھلی گھڑی میں کہیں اکٹھا دیکھ لیا۔ اس کی تقریب ایسے پیدا ہوئی کہ جب میں نے سکوٹر خرید لیا تو ایک روز وقت موقع دیکھ کر عشرت کو دعوت دے ڈالی۔ ''آج میرے ساتھ چلو۔''

''کہاں۔''

''تم دلی والی ہو۔ مگر یہاں قطب صاحب کی لاٹھ تو ہے نہیں۔ ملا کی دوڑ مسجد تک۔ لے دے کر کلفٹن ہے۔''

وہ ہنس پڑی۔ اور پھر فوراً ہی سکوٹر سٹارٹ کیا۔ ''بس بیٹھ جاؤ۔'' وہ جلدی سے اچک کر بیٹھ گئی۔ اور جب میں نے سکوٹر کی رفتار تیز کی تو اس نے فوراً ہی اپنے ہاتھ میری کمر میں حمائل کر دیئے۔

KitaabPoint.blogspot.com

بس ایسے ہی کسی عالم میں مجو بھائی نے ہمیں دیکھ لیا ہوگا۔ ایک روز ناشتہ کرتے کرتے انہوں نے مجھے گھور کے دیکھا "یہ جولڑکی آج کل تمہارے ساتھ دیکھی جاتی ہے یہ تمہارے دفتر میں کام کرتی ہے نا۔"

"جی۔"

"اور شاید دلی والی ہے۔"

"جی۔ مگر آپ کو کیسے معلوم ہے۔"

"استاد میں اس شہر میں آنکھیں کھول کر رہتا ہوں اور اب تم میری بات غور سے سنو۔"

"جی فرمایئے۔"

"رومانس کی حد تک کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ لیکن شادی کا خیال دل میں مت لانا۔"

"وہ کیوں؟"

"بچو وہ دلی والی ہے۔ مارے جاؤ گے۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟"

"بات یہ ہے کہ دلی کے جو خاندان اس شہر میں آئے ہیں وہ وہاں بہت وضعداری سے رہتے تھے۔ ایک وقت وہ تھا کہ عورتیں ڈیوڑھی سے قدم نہیں نکالتی تھیں۔ کالجوں میں جانے والی لڑکیوں نے قدم دہلیز سے نکالا تھا تو اس طرح کہ برقع اوڑھ کر تانگہ میں بیٹھ کر کالج جاتی تھیں۔ کراچی آ کر انہوں نے ایک دم سے برقع اتار پھینکے ہیں۔ اور سواری کے لئے یہاں نہ ڈولی ہے نہ تانگہ ہے۔ بچو ان لڑکیوں سے ڈرنا چاہیے۔"

"گویا آپ کو افسوس یہ ہے کہ ڈولی اور چادروں سے ڈھکے ہوئے اکے اور تانگے ادھر کیوں رہ گئے۔ اور یہ مہاجر زادیاں منہ طباق سا لئے کالجوں اور دفتروں میں کیوں جاتی نظر آتی ہیں۔"

"تم غلط سمجھے۔ میں پردے کا حامی نہیں ہوں۔ مگر جوادمیاں' یہ لڑکیاں نارمل طریقے سے پردے سے باہر نہیں آئیں۔ یہ برقعہ پھاڑ کر چوراہوں پر آئی ہیں۔ اس لئے میں ان سے خوفزدہ ہوں۔"

"اور شاید اسی خوف سے آپ نے چھڑا رہنے کی ٹھانی ہے۔"

مجو بھائی نے قہقہہ لگایا "مجھے پتہ تھا کہ تم قائل نہیں ہوگے۔ دنیا میں کبھی کوئی ناصح کسی عاشق کو قائل نہیں کر سکا۔ بہر حال نیک و بد

KitaabPoint.blogspot.com

تمہیں سمجھانا تو تھا۔ اب بولو کیا ارادے ہیں۔"

جلدی تو میں بھی کھلنے والا نہیں تھا۔ شاید ابھی میں نے کوئی ایسا فیصلہ بھی نہیں کیا تھا۔ اور شاید عشرت نے بھی ابھی شادی کے مضمون میں سوچنا شروع نہیں کی تھا۔ ابھی تو ہم ایک رو میں بہے چلے جا رہے تھے۔ کچھ سوچے بغیر۔ اسی سے تو ہمارے جذبے کی سچائی ثابت ہوتی تھی۔ مگر اتنے زمانے بعد ان باتوں کے یاد آنے کا مطلب۔ ارے اس سارے رومانس پر تو اسی روز پانی پھر گیا تھا جس روز نکاح کے بول پڑھے گئے تھے۔ اصل میں عشق میں کامیابی ہی اس کی ناکامی ہوتی ہے۔ مجھے ان عشقوں پر ہمیشہ ترس آیا جو عاشق سے شوہر بن جاتے ہیں۔ عشق کا تجربہ ازدواجی زندگی میں خلط ملط ہو کر ضائع ہو جاتا ہے۔ خیر میرے یہاں تو ازدواجی زندگی کا سلسلہ لمبا چلا ہی نہیں۔ پیدائش کے جھمیلے نے اسے کتنا مختصر کر دیا تھا۔ سیزیرین کیس تھا۔ زچہ گزر گئی' بچہ رہ گیا۔ یعنی ازدواجی زندگی ختم ہوتے ہوتے اپنا ثمر چھوڑ گئی۔ ایک نیا جھمیلا۔ مگر پھر وہی بات کہ ان باتوں کو یاد کرنے کا فائدہ۔ وہ مختصر المیعاد محبت اور اس کے بطن سے پیدا ہونے والی ازدواجی زندگی اپنا ثمر چھوڑ کر جلدی ہی رفت گزشت ہو گئی۔ اسی کے ساتھ میں نے اس دفتر کو بھی سلام کر لیا' جیسے میں اس دفتر میں زندگی کا یہی ذائقہ چکھنے کیلئے گیا تھا۔ اس دفتری تجربے اور اس قلبی واردات کے بعد میں نے زندگی کا ایک ورق الٹا اور آگے چل پڑا ہر جذباتی تجربے کی اپنی ایک عمر ہوتی ہے۔ تو اس کے تجربے کی یا اس جذبے کی عمر پوری ہو چکی تھی۔ اس کے جو بھی نشانات تھے زندگی کی فکروں اور مصروفیتوں میں مٹتے چلے گئے۔ اگر کوئی رڑک باقی بھی رہ گئی تھی تو ایک مرتبہ جب میں نے میمونہ کو یہ سارا قصہ سنا دیا اور اس نے پوری دردمندی اور انہماک سے اسے سن لیا تو میں نے گویا اس قصے سے مکمل فراغت حاصل کر لی۔ اگرچہ مجھے بعد میں اس پر تعجب ضرور ہوا کہ اسے میری زندگی کے اس ورق سے اتنی دلچسپی کیوں تھی؟۔

خیر تو پرانا غم رفع ہو چکا تھا۔ اب نئے قصے قضیے تھے اور نئے غم تھے۔ مگر ان نئے غموں میں وہ جو ایک غم شامل ہو گیا تھا۔ سمجھ میں نہ آیا کہ اسے کس خانے میں ڈالوں۔ نئے غموں کے خانے میں رکھوں یا کسی پرانے غم کی تجدید کہوں۔ عجب ہوا کہ جہاں آگے درد تھا وہاں بس ایک داغ رہ گیا تھا۔ جہاں نہ درد تھا نہ داغ تھا وہاں پتہ چلا کہ یہاں تو ایک درد دبا پڑا تھا۔

مجو بھائی کے تجسس نے مجھے عجیب مخمصہ میں ڈال دیا تھا۔ اتنا کرید کرید کر انہوں نے میرے سفر کے بارے میں مجھ سے پوچھا کہ میں خود شک میں پڑ گیا کہ سچ مچ میں کچھ چھپانے کی کوشش تو نہیں کر رہا۔ اور صرف مجو بھائی سے نہیں' اپنے آپ سے بھی۔ تو وہ کیا بات تھی۔ کم از کم اپنے آپ سے تو مجھے کچھ چھپانا نہیں چاہیے۔ میں آخر کوئی غیر تو نہیں ہوں۔ ایسے بھی تو ہوتے ہیں جو خود اپنے آپ سے غیریت برتتے ہیں۔ مجھے اپنے آپ سے غیریت نہیں برتنی چاہیے۔ اپنے آپ کو صاف صاف بتا دینا چاہیے کہ بات کیا تھی۔ سو میں

KitaabPoint.blogspot.com

نے اپنے آپ کو کریدنا شروع کر دیا۔ خیر مجھے اس کے لئے زیادہ تر دو نہیں کرنا پڑا۔ پیچھے بھی کونسا زیادہ جانا پڑا۔ یہ زیادہ زمانے کی تو بات نہیں تھی جب میں نے مجو بھائی سے اپنی پریشانی میں ایک سیدھا سوال کیا تھا۔ سوال واقعی بہت سیدھا اور سادہ تھا۔ مگر سارا قصہ اس سوال ہی سے شروع ہوا۔ میں اس واسطے سے مجو بھائی کے چنگل میں پھنس گیا اور پھنستا ہی چلا گیا۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب سارے غموں سے فارغ ہو کر میں ایک خاموش اور بے تعلق زندگی گزار رہا تھا۔ اپنی زندگی کے ہنگامہ خیز برس میں گزار چکا تھا۔ غم عشق سے لے کر غم روزگار تک کونسا غم تھا جو اس شہر میں مجھے سہنا نہیں پڑا۔ سب طرح کے پاپڑ بیلے۔ بہت خواری دیکھی۔ ان دنوں میں واقعی چکھیری پھرا کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ سب فکروں سے فارغ ہو گیا۔ غم عشق سے تو شادی کے ساتھ ہی فارغ ہو گیا تھا۔ جسے چاہا تھا اسے منوں مٹی کے نیچے سلا کر ازدواجی زندگی سے بھی جلدی ہی فارغ ہو گیا۔ اس زندگی سے یادگار جو ایک ننگ تھا اس نے امریکہ کے لئے رخت سفر باندھ کر مجھے اولاد کی فکروں سے بھی فراغت دلا دی۔ ملازمت میں اب استحکام آ گیا تھا۔ تھوڑی ترقی بھی ہو گئی تھی۔ اب میں نے بینکنگ میں سینئریٹی حاصل کر لی تھی۔ ایک برانچ کا منیجر تھا۔ سو اب اطمینان تھا۔ محفلوں ہنگامہ آرائیوں سے طبیعت سیر ہو چکی تھی۔ مجو بھائی کی طبیعت ابھی سیر نہیں ہوئی تھی۔ کافی ہاؤس زمانہ ہوا بند ہو چکا تھا۔ مگر ان کی ہنگامہ پسند طبیعت نے دوسرے راستے نکال لئے تھے۔ اب وہ صاحب حیثیت دوستوں واقف کاروں اور ملاقاتیوں کے ڈرائنگ روموں میں دیکھے جاتے تھے۔ مشاعروں اور شادیوں میں خضوع و خشوع سے شرکت کرتے تھے۔ میں دفتر سے سیدھا گھر۔ مجو بھائی شام پڑے اچکی بنے کبھی کسی مشاعرے میں جاتے نظر آتے یا کسی ولیمہ میں۔ ہم دونوں ایک ہی چھت تلے بسر کرتے تھے۔ مگر وہ اپنی راہ' میں اپنی راہ' جمعہ سے پہلے ملاقات بھی مشکل ہی سے ہوتی تھی۔ رات گئے آئے اور آتے ہی سو گئے۔ صبح میں اپنی ہبڑ دبڑ میں ہوتا تھا۔ نہایا دھویا' ناشتہ کیا اور کار کی طرف لپکا۔ بینک جو پہنچنا ہوتا تھا۔ اس وقت مجو بھائی بستر میں اینڈ رہے ہوتے تھے۔ بیڈ ٹی سرہانے رکھے رکھے کبھی تو بالکل ٹھنڈی ہو جاتی۔

اس طور زندگی گزر رہی تھی کہ اس میں خلل پیدا ہونا شروع ہوا اور پیدا ہوتا ہی چلا گیا۔ میرا مطلب ہے پورے شہر کی زندگی میں۔ وہ جو اس شہر میں ایک امی جمی تھی وہ اچانک ہی غائب ہو گئی۔ ڈاکے' اغوا' قتل کی وارداتیں' بم دھماکے' اچانک نقاب پوش نمودار ہوتے۔ بھرے بازار میں گولیاں چلاتے۔ ایک یہاں گرا پڑا ہے' دوسرا وہاں تڑپ رہا ہے۔ گرم جسم دیکھتے دیکھتے ٹھنڈے پڑ جاتے۔ بازار میں بھگدڑ مچ جاتی۔ پھر سناٹا۔ اور پھر اچانک ٹائر جلنا شروع ہو جاتے ٹائروں کے جلتے جلتے کوئی بس زد میں آ جاتی اور منٹوں میں جل کر خاکستر ہو جاتی۔ دکانیں کھلتے کھلتے پھر بند ہو جاتیں۔ اور کرفیو لگ جاتا۔ کرفیو آج یہاں کل وہاں۔ مجو بھائی گھر سے نکلتے نکلتے اچانک

KitaabPoint.blogspot.com

فون کی آواز پر ٹھٹھکتے۔فون سننے کے بعد جانے کا پروگرام ملتوی کرتے اور آرام کرسی پر نیم دراز ہو جاتے۔

''مجو بھائی' آپ کو تو اس وقت مشاعرہ میں جانا تھا۔''

''ہاں جانا تھا' مگر اس علاقے میں کرفیو لگ گیا۔ بھائی لوگوں نے ہمارا رستہ کھوٹا کر دیا۔''

مجو بھائی کا رستہ آئے دن کھوٹا ہونے لگا۔کرفیو آج اس علاقے میں کل اس علاقے میں۔اور مجو بھائی کرفیو کا ذکر اس سادگی سے کرتے جیسے بے وقت بارش ہو جائے اور شریف آدمی کا سیر کا پروگرام ملتوی ہو جائے۔

''مجو بھائی' حالات تو خراب ہوتے چلے جا رہے ہیں۔''

میں نے جب بھی ایسی بات کی مجو بھائی کی طرف سے ایک ہی جواب آیا ''اماں تم کیوں شہر کے اندیشے میں دبلے ہو رہے ہو۔''

بینکوں میں ڈاکے پڑتے پڑتے ایک دن ایسا ہوا کہ ہمارے قریب بینک میں مسلح ڈاکوؤں نے گھس کر پہلے چوکیدار کو دبوچا' پھر باقی سٹاف کو بندوق دکھائی۔اور سارا خزانہ لوٹ کر اطمینان سے باہر نکلے۔لوگوں کو جمع ہوتے دیکھ کر مائرنگ کی۔لوگ بھاگ کھڑے ہوئے۔ڈاکو اطمینان سے پجارو میں سوار ہوئے اور روانہ ہو گئے۔

مجھے یوں لگا کہ سیلاب جو پہلے دور دور گرج رہا تھا اب ہمارے گھر کی دہلیز کو چھو رہا ہے۔میں نے اس شام بہت سنجیدگی سے مجو بھائی کو مخاطب کیا۔''مجو بھائی!''

مجو بھائی نے میرے لہجے کی سنجیدگی کو تاڑ لیا کہ معاملہ گھمبیر ہے۔مجھے غور سے دیکھا ''کیوں' کیا بات ہے؟''

''مجو بھائی' اس شہر میں یہ کیا ہو رہا ہے؟''

''اماں' کیا ہوا ہے؟'' کس بے فکری کے لہجہ میں انہوں نے میری بات کا جواب دیا۔

''اچھا' کمال ہے۔آپ کو یہ احساس ہی نہیں ہے کہ کیا ہو رہا ہے مجو بھائی' کبھی مشاعرے کی فضا سے نکل کر بھی شہر پر نظر ڈالئے۔پھر پتہ چلیگا کہ کیا ہو رہا ہے۔لگتا ہے کہ یہ وہ شہر ہی نہیں ہے۔کیسی کایا کلپ ہوئی ہے کہ شہر کی شکل ہی بدل گئی۔آخر ہم کس طرف جا رہے ہیں۔یہ تو تباہی کا راستہ ہے۔'' میں نے ایک ہی سانس میں اتنا کچھ کہہ ڈالا۔بھرا جو بیٹھا تھا۔

مجو بھائی نے خاموشی سے مجھے سنا۔غور سے مجھے دیکھتے رہے پھر بہت متانت سے بولے ''میاں جواد' ایک تمہیں مشورہ دوں۔''

''ضرور دیجئے۔''

''سوچنا چھوڑ دو یا پھر اس شہر کو چھوڑ دو۔''

KitaabPoint.blogspot.com

میری بات کا یہ اتنا غیر متوقع جواب تھا کہ تھوڑی دیر تک تو میری سمجھ ہی میں نہ آیا کہ کیا جواب دوں۔ سوچنا چھوڑ دو یا اس شہر کو چھوڑ دو۔ کیسے چھوڑ دوں۔ جھگی سے لے کر اس فلیٹ تک جہاں اب میں رہ رہا تھا اور جو میری ملکیت تھا اس شہر میں میرا سارا سفر' سارے شب و روز بجلی کی سی تیزی سے میری آنکھوں میں پھر گئے۔ پہلی مرتبہ مجھے احساس ہوا کہ جہاں میں ریلے میں بہتا ہوا آیا تھا اور جہاں کتنے دنوں تک ہوا کی زد میں آئے ہوئے ٹوٹے پتے کی مثال اڑتا پھرتا تھا۔ وہاں میں نے اچھی خاصی جڑیں بنالی ہیں۔ پھر میں اپنے آپ کو اکھاڑوں۔ مگر کیوں' مجو بھائی کیسی باتیں کر رہے ہیں۔

''مجو بھائی' یہ مشورہ آپ مجھے بقائمی ہوش وحواس دے رہے ہیں۔''

''تمہیں اس میں شک ہے۔'' مجو بھائی ہنسے۔ ''اماں' میرے ہوش وحواس تو بجا ہیں۔ ہوش وحواس تمہارے رخصت ہوئے ہیں میرے نہیں۔''

''سوچنا چھوڑ دو یا یہ شہر چھوڑ دو۔'' میں غصے میں بڑبڑایا۔ ''اچھا مشورہ ہے۔''

''اماں مت مانو۔ زبردستی تھوڑا ہی ہے۔ یہ کسی ڈکٹیٹر کا حکم تو نہیں ہے' دوست کا مشورہ ہے۔ ہم نے تمہیں گر کی بات بتادی ہے۔ اس شہر میں بسر کرنے کا اب ایک ہی طریقہ ہے۔ سوچو مت کہ کیا ہو رہا ہے۔ جس نے سوچا وہ کام سے گیا۔''

میں نے ردعمل میں پہلے غصہ دکھایا' پھر طنز و تعریض پر اتر آیا' پھر بات کو ہنسی میں اڑانا چاہا۔ مگر مجو بھائی ذرا جوٹس سے مس ہوئے ہوں۔ اپنی بات پر اسی طرح قائم رہے۔ مجھے کتنی دیر تک خاموشی سے سنتے رہے۔ پھر بولے ''کہہ چکے اپنی۔ اب میری سنو گے۔''

''کچھ سنانے کے لئے ابھی رہ گیا ہے؟ تو اچھا سنایئے۔''

''کان دھر کر سنو۔ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔ امر واقعہ سناتا ہوں۔ جواد میاں یہ شہر ست خصمی شہر ہے۔ سندھی' پنجابی' بلوچ' پٹھان' مہاجر..... یاروں نے یہ شہر بسایا ہے یا کھچڑی پکائی ہے۔''

رکے۔ پھر بولے ''اور مہاجر کی کوئی ایک قسم تھوڑا ہی ہے۔ کوئی پورب کا' کوئی پچھم کا' کوئی اتر سے آیا' کوئی دکن سے چلا۔ سارے ہندوستان سے ندیاں بہتی شور کرتی آئیں اور اس سمندر میں آ کر رل مل گئیں۔ مگر ریلیں ملیں کہاں۔ یہی تو مصیبت ہے۔ ہر ندی کہتی ہے کہ میں سمندر ہوں۔ جواد میاں' میں نے ان ندیوں میں اچھی خاصی شناوری کی ہے۔ مثلاً میں کچھ دنوں امروہے والوں کے بیچ بہت گھوما پھرا۔ ایسا لگتا تھا کہ کراچی بس امروہے والوں ہی سے پٹا پڑا ہے۔ جیسے کراچی نہ ہوا' امروہہ ہی ہو۔ ویسے امروہے والے یہی سمجھتے ہیں کہ کراچی دوسرا امروہہ ہے۔ جیسے جو بھی مہاجر ہے وہ امروہوی ہے۔ اور جو بھی امروہوی ہے وہ اپنے امروہہ پن

KitaabPoint.blogspot.com

میں مگن ہے۔ جواد میاں' کمال ہے مصحفی کے وقت سے اب تک امروہہ کچھ سے کچھ ہو گیا۔ مگر امروہہ پن جوں کا توں ہے۔'' مجو بھائی نے سانس لیا اور پھر رواں ہو گئے'' بدائیوں والوں کی سنو۔ اپنے مرزا ہادی علی بدایونی اچھے بزرگ ہیں۔ مگر ہیں۔ تو بدایونی' ایک دفعہ دماغ میں سمائی کہ کراچی کے سارے شاعروں سے عہد برآ ہونا تو ناممکنات سے ہے۔ اپنے بدائیوں کے شاعروں کو جمع کر کے ایک مختصر سا مشاعرہ کئے لیتے ہیں۔ مگر جناب اکیلے لیاقت آباد سے اتنے شاعر برآمد ہو گئے کہ قطاریں لگ گئیں۔ پھر دوسرے محلوں سے فون آنے لگے کہ اے صاحب' بندہ بھی بدایونی ہے۔ بھولئے گا نہیں۔ بیچارے مرزا ہادی علی بوکھلا گئے' ایسے بوکھلائے کہ مشاعرے کی بساط ہی لپیٹ دی اور آئندہ کے لئے کان پکڑے'' مجو بھائی دم لینے کے لئے رکے۔ مگر پھر فوراً ہی چل پڑے۔'' جواد میاں' کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ جو بھی مہاجر ہے وہ بدایوں والا ہے۔ چونکہ بدایوں والا ہے اس لئے مجبور ہے۔ خیر چلو بدائیوں بھی ہوا۔ فانی بدایونی کی خاطر نہ سہی۔ بدائیوں کے پیڑوں کی خاطر ہی سہی شرفاء اسے قبول کر سکتے ہیں۔ مگر مصیبت یہ ہے کہ یوپی کے وہ قصبے بھی جو یوپی میں گمنام تھے کراچی میں آ کر کوس لمن الملکی بجا رہے ہیں۔ اچھا' تم نے ڈبائی کا کبھی اپنے ہوش میں نام سنا تھا۔''

''ڈبائی'' یہ کونسی جگہ تھی؟۔''

''ارے کسی ڈبائی والے کے سامنے ایسی بات مت کہہ دینا۔ قیامت آ جائے گی۔ اپنے علی گڑھ کے زمانے میں ایک ڈبائی والے سے ملاقات ہو گئی۔ وہ ڈبائیوی صاحب ہم سے ایسے خوش ہوئے کہ ہمیں اکے میں لاد کے ایک دن ڈبائی لے گئے۔ علی گڑھ کے پچھواڑے ایک منا سا قصبہ ہے۔ سمجھ لو بالشت بھر کا۔ وہاں تو خیر وہ اپنی حدوں ہی میں تھے۔ یہاں میں ان لوگوں سے ملا تو ان کے تیور ہی بدلے ہوئے تھے۔ کہتے تھے کہ سرسید احمد خاں نے غلط جگہ کا انتخاب کیا۔ علی گڑھ کالج کو ڈبائی میں بننا چاہیے تھا۔ میں نے کہا کہ یار پھر ڈبائی والے کہاں جاتے۔ خیر اس سے قطع نظر ڈبائی میں خاص بات کیا ہے' بولے' ایک نہیں دو خاص باتیں ہیں اور دو خاص تحفے۔ ایک چلم' دوسرے گجیا' میں نے کہا کہ چلو چلمیں تو ہوئیں۔ اگرچہ ان کا مستقبل بھی ایسا روشن نہیں کہ اب تو حقے ہی کا چل چلاؤ ہے۔ مگر یہ گجیا کیا شئے ہے۔ بولے' اے واہ آپ گجیا کے متعلق پوچھتے ہیں کہ یہ کیا شئے ہے ارے صاحب بدائیوں والے اسے کھالیں تو اپنے پیڑوں کو بھول جائیں۔''

مجو بھائی جاری تھے اور میں سنے جا رہا تھا۔ شاید میرے سوال نے ان کے لئے قچی کا کام کیا تھا۔ رواں تھے' رکنے میں نہیں آ رہے تھے۔'' جواد' ایک تو بڑی مشکل یہ ہے کہ اپنی طرف کے ہر قصبہ نے اپنی کسی نہ کسی چیز کی اچھی خاصی لیجنڈ تیار کر رکھی تھی۔ دعویٰ یہ ہوتا تھا کہ پورا ہندوستان اس شئے کا جواب نہیں لا سکتا۔ ایک بزرگ سے ایک محفل میں نیاز حاصل ہوا۔ ٹھنڈا سانس بھر کر بولے'

KitaabPoint.blogspot.com

پاکستان میں عمر عزیز کے پینتالیس برس گزر گئے لڈو کھانے کو نہیں ملا۔ اے صاحب' پتہ نہیں کیا بات ہے' یہاں چیزوں میں ذائقہ نہیں ہے۔ اور لڈو تو یہاں بس میٹھے لونڈے ہوتے ہیں۔ پتہ چلا کہ حضرت سندیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ چلئے سندیلہ والوں کو تو اس بارے میں رعایتی نمبر دیئے جا سکتے ہیں۔ ان کی لڈو واقعی اچھے ہوتے ہیں۔ مگر میں حیران اس وقت ہوا جب میں نے ایک شکار پوری بزرگ کو اپنے نگر کے متعلق شیخیاں بگھارتے دیکھا۔ مجھ سے رہا نہ گیا۔ میں نے کہا کہ حضرت گستاخی معاف' آپ کی طرف کے تو بیوقوف مشہور تھے۔ تڑپ کر بولے' اے سبحان اللہ' گڑ دھانیوں کو بھولے جا رہے ہو۔ گڑ اور چنے کا یہ کھاجا ہماری طرف ایسا بنتا تھا کہ جس نے ایک دفعہ اسے چکھ لیا وہ دلی کے حلوا سوہن کو بھول جاتا تھا۔

میں نے ایک لمبی جماہی لی۔ ''مجو بھائی' میں یہ پوچھتا ہوں کہ آپ کس تقریب میں مجھے یہ سنا رہے ہیں۔ یہ میری بات کا تو جواب نہیں ہے۔''

''اب تم نہ سمجھو تو ہم کیا کریں۔ اچھا چھوڑو اپنے یوپی والوں کو بہاریوں کی سنو۔ ایک بہاری دوست نے اسلام پر لیکچر پلاتے پلاتے ایک زقند لگائی اور کہا کہ تم لوگ ہم بہاریوں کو کیا سمجھتے ہو۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ مہاتما بدھ بھی بہاری تھے۔ میں نے کہا کہ یار تم بہت سادے ہو۔ کسی مزاح نگار نے یہ فقرہ لکھ دیا اور تم لے اڑے۔ مزاح نگاروں کی باتوں کو بہت سنجیدگی سے نہیں لینا چاہیے۔ بولے' مگر اس میں جھوٹ کیا ہے۔ میں نے کہا' جھوٹ تو نہیں مگر ایک بات ہے۔ مہاتما بدھ بہاری ضرور ہوں گے' بہاری مسلمان نہیں تھے۔ تڑخ کر بولے' اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ میں نے کہا' حضور بہت فرق پڑتا ہے۔ بہاری مسلمان ہوتے تو بنارس یاترا نہ کرتے' ہجرات کر کے ڈھاکہ جاتے۔ وہاں پہنچ کر جو وہ کرتے اور جوان کے ساتھ ہوتا اس کا تم اندازہ کر سکتے ہو۔''

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی۔ میں نے اس موقعہ کو غنیمت جانا۔ فوراً مجو بھائی کو ٹوکا۔ ''مجو بھائی' اب تھوڑا رک جایئے ذرا فون سن لوں۔'' لپک کر فون کے پاس گیا۔ فون اٹھایا۔ ''ہیلو۔ جی..... اچھا توصیف صاحب ہیں۔ کہئے کیسے مزاج ہیں؟''

''توصیف صاحب سے پوچھو کہ یار کباب پراٹھے کب کھلا رہے ہیں۔'' مجو بھائی نے بیٹھے بیٹھے صدا لگائی۔

''ہاں مجو بھائی موجود ہیں۔ وہ بیٹھے ہیں۔ پوچھ رہے ہیں کہ کباب پراٹھے کب کھلا رہے ہو..... اچھا واقعی؟..... ہاں آئے..... نہیں نہیں' مجو بھائی اس وقت کہیں نہیں جائیں گے۔ اس وقت مجھ پر مشق سخن ہو رہی ہے..... رواں ہیں..... کس موضوع پر..... آ کے سن لو..... اچھا ٹھیک ہے۔ آیئے' ہم انتظار کر رہے ہیں۔'' فون رکھتے ہوئے میں نے مجو بھائی کو اطلاع دی۔ ''آ رہے ہیں آپ کے توصیف صاحب۔''

KitaabPoint.blogspot.com

''آنے دو۔ اچھا تم اپنے ان میرٹھ والوں کی بھی سن لو۔''

''ہاں میں بھی سوچ رہا تھا۔'' میں نے ٹکڑا لگایا۔ ''کہ امروہہ' بدایوں' سندیلہ شکار پور سب کو نبٹا دیا۔ اپنا میرٹھ دستبرد سے کیسے بچ گیا۔''

''یار سنو تو سہی' یہ اپنے صاحبزادے توصیف کچھ زیادہ ہی میرٹھی بنتے ہیں۔ ان کی ہمشیرہ صاحبہ یعنی ہماری باجی اختری کو بڑا چاؤ تھا کہ بھائی کے لئے اچھی سی دلہن لائیں۔ میں نے سید آقا حسن کی بیٹی کا نام لیا تو پھڑک گئیں یقین جانو' انہوں نے میرا جینا حرام کر دیا۔ بس ایک ہی رٹ کہ توصیف سے اس کا رشتہ کرا دو۔ تو ہم نے توصیف میاں کی بہت ہوا باندھی۔ کیا کیا جتن کر کے انہیں شیشے میں اتارا ہے۔ بات کم و بیش طے ہو گئی تھی۔ معلوم ہے توصیف صاحب نے کیا گل کھلایا۔ ہونے والے خسر کے سامنے بیٹھ کر میرٹھ کی گڑ کی ریوڑی گزک کا قصیدہ شروع کر دیا۔ وہ اپنی طرز کے لکھنوی بزرگ جنہوں نے کبھی مٹھائی کو مٹھائی نہیں کہا۔ مٹھائی کو شیرینی' چینی کو قند' اور مصری کو نبات کہتے ہیں۔ ملائی کھانے کا طور یہ ہے کہ اسے بالائی کہہ کر پکارتے ہیں' اس میں مصری کی ڈلی گھولتے ہیں' اور ایک چمچہ کھا کر سیر ہو جاتے ہیں۔ گڑ کی ریوڑی کی گزک کی تعریف سے اس نفاست پسند شائستہ مزاج بزرگ کی طبیعت کو منغض ہونا ہی تھا۔ خبر زنان خانے تک گئی۔ بشو بھابی کے تو ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ مجھ سے آبدیدہ ہو کر بولیں کہ اے بھین مجو بھائی' ہماری بٹیا کا تو نصیبا پھوٹ گیا۔ یہ تو گنوار لوگ نکلے' گڑ اور کھانڈ کے کھانے والے۔ ان کے ساتھ ہماری بٹیا کا گزارہ کیسے ہوگا۔ سید صاحب نے مضمون کو آگے بڑھایا بولے' عالی جاہ' ریوڑی گزک تک تو ہم نے صبر کیا۔ زہر کا گھونٹ پی کر چپ بیٹھے رہے۔ پھر صاحبزادے تل بھگے کی مدح کرنے لگے۔ ہم نے استفسار کیا کہ برخوردار' یہ تل بھگا کیا شے ہے۔ بولے قبلہ' یہ گڑ اور تل سے مل کر بنتا ہے۔ دلی کا حلوا سوہن اس کے سامنے گرد ہے۔ اے عزیز' جناب امیر کی قسم' ہم تو حق دق رہ گئے.....۔''

بیان جاری تھا کہ دروازے کی گھنٹی بجی۔ بولتے بولتے رکے۔ ''کون آ گیا یار۔''

نعمت خان کچن سے نکل لپک کر دروازے پر گیا۔ فوراً ہی واپس آیا ''رفیق صاحب ہیں جی۔''

پیچھے پیچھے رفیق صاحب چلے آ رہے ہیں۔ مجو بھائی فوراً ہی کھڑے ہو گئے۔ کس گرمجوشی سے ملے ''یار خوب آئے۔''

''میں نے سوچا کہ مجو بھائی کو فرصت نہیں ہے تو چلو ہم ہی چل کر مزاج پرسی کر لیں۔ تو حضور والا کے کیسے مزاج ہیں۔''

''مجو بھائی کے مزاج اس وقت مت پوچھو۔ رواں ہیں۔'' ''میں نے ٹکڑا لگایا۔ رواں ہیں؟ اچھا؟ مگر کس پر۔''

''مہاجروں پر۔''

KitaabPoint.blogspot.com

''خوب۔'' رفیق صاحب نے قہقہہ لگایا۔

''لکھنو والوں کا ذکر ہو رہا تھا۔'' مجو بھائی بولے ''کمال نازک مزاج لوگ ہیں۔ ناک پہ مکھی نہیں بیٹھنے دیتے۔ اپنے اقن صاحب جو ہیں نا۔''

''اقن صاحب' رفیق صاحب سمجھ نہیں پائے کہ کس کا ذکر ہے۔''

''یار' وہی آقا اپنے سید آقا حسن' ان کی بات ہو رہی تھی۔ اصل میں اپنے توصیف سے ان کی بیٹی کی بات چل رہی ہے۔ بیچارے چکنم میں ہیں۔''

''مگر کیوں۔'' رفیق صاحب نے پوچھا۔ ''توصیف میں کیا عیب ہے۔''

''یہ عیب جھوٹا ہے کہ وہ میرٹھ کا خاندان ہے۔''

رفیق صاحب نے قہقہہ لگایا ''پھر موصوف بجا طور پر تذبذب میں ہیں۔''

''میں نے کہا' قبلہ سید صاحب۔'' مجو بھائی بولے ''وہ بھی لکھنو والے ہی ہیں اور آپ کے عزیزوں میں ہیں جن کی بیٹی لاہور والوں میں گئی ہے۔ آپ تو رفیق صاحب کو جانتے ہیں۔ خالص لاہوری ہیں۔ کیوں رفیق صاحب کیسی کہی۔''

''اچھی کہی۔'' رفیق صاحب بولے ''پھر سید صاحب کیا بولے۔''

''کیا بولتے بیچارے۔ بغلیں جھانکنے لگے۔''

رفیق صاحب کہنے لگے۔ ''اب ذرا ہمارے عزیزوں کی بھی سن لو۔ کراچی آنا ہوا تو ہمیں بھی ملاقات کا شرف بخشا۔ گھر پہ آئے تو پہلے تو ہماری بیگم صاحبہ کے لب ولہجہ پر تھوڑے پریشان ہوئے۔ مگر اس سے زیادہ پریشان وہ اس بات پر تھے کہ اس خانہ خراب نے کراچی کے کونسے علاقے میں گھر بسایا ہے۔ بیگم صاحبہ ادھر ادھر ہوئیں تو رازدارانہ بولے' پاجی' تسی تو نرغے میں ہو۔ یاں سے نکلو' کسی محفوظ علاقے میں جگہ تلاش کرو۔ میں نے کہا کہ کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ جہاں بھی جاؤں گا نرغے ہی میں رہوں گا۔ پوچھا' ایہہ کیہہ کہیندے او۔ میں نے کہا' گھر والی لکھنو والی ہے۔ کمبخت بچے سب اہل زبان ہیں۔ سو میں تو گھر کے اندر بھی نرغے ہی میں ہوں۔'' اور اس کے ساتھ ہی ایک قہقہہ۔

''اچھا کہا۔'' مجو بھائی نے داد بھرے لہجہ میں کہا۔

''اب ہمارے چھوٹے صاحبزادے کی سنو۔ میں ان مہمانوں سے پنجابی میں باتیں کر رہا تھا۔ صاحبزادے حیرت سے میرا منہ

KitaabPoint.blogspot.com

تک رہے تھے۔ جب مہمان چلے گئے تو بولے' پاپا یہ کونسی زبان آپ بول رہے تھے۔ میں نے کہا کہ بیٹے' یہ تمہارے باپ دادا کی زبان ہے۔'' پھر ایک قہقہہ۔

میں نے کسی قدر تعجب سے پوچھا۔'' رفیق صاحب' تعجب ہے' آپ لاہور کے جدی پشتی' اور آپ کے بچے پنجابی نہیں جانتے۔ یہ کیسے؟''

''جواد صاحب' پہلے تو یہ پوچھو کہ یہ ہماری اولاد اردو بھی جانتی ہے۔''

''لیجئے یہ اور سنائی۔'' میں نے پھر تعجب کا اظہار کیا۔'' اردو کو تو آپ نے اہل خانہ بنا رکھا ہے۔ اور اردو بھی کونسی' خاص لکھنو کی۔''

''ارے جواد صاحب' آپ ہمارا احوال کیا پوچھتے ہیں۔ ہمارے بچے پنجابی اس لئے نہیں جانتے کہ ماں لکھنو والی ہے۔ اور اردو اس لئے نہیں جانتے کہ وہ لکھنو والی آئی ٹی کالج میں پڑھی ہے۔ تو ہماری اولاد تو اردو اور پنجابی دونوں سے گئی۔''

''اماں' پھر تمہارے بچے کونسی زبان جانتے ہیں۔'' مجو بھائی نے چڑ کر کہا۔

رفیق صاحب نے ٹھنڈا سانس بھرا اور بولے'' یہ آئی ٹی کالج والیاں ناول بھی تو لکھتی لکھاتی ہیں۔ بس ان ناولوں میں جو انہوں نے آئی ٹی برانڈ اردو لکھ رکھی ہے اسی میں یہ بچے غوں غاں کرتے رہتے ہیں۔ میں آتش و مصحفی کا پڑھنے والا۔ میری سمجھ میں تو یہ زبان آتی نہیں۔ یہ زبان وہ سمجھیں یا ان کی ماں سمجھے۔'' رفیق صاحب نے پھر ایک قہقہہ بلند کیا۔

''سبحان اللہ۔'' مجو بھائی نے بیساختہ کہا۔

''یار مجو بھائی' ایک کام میں ہماری مدد کرو۔ آپ بھانت بھانت کے مہاجر کو جانتے ہیں۔ آپ میری مدد کر سکتے ہیں۔''

''بھائی' کیا ایسا کام ہے۔ ویسے خدمت کے لئے بندہ حاضر ہے۔''

''میں نے ایک خاص موضوع پر تحقیق کر رہا ہوں۔ بہت انوکھا موضوع ہے۔ آپ سنیں گے تو بندے کو داد دیں گے۔ عنوان کچھ اس قسم کا سوچا ہے کہ'' شاعری اور ہجرت'' کیسا عنوان ہے۔''

''خوب عنوان ہے۔ آگے چلو۔''

''اب مجھے دو ایسے مہاجروں کی تلاش ہے جو اہل زبان ہوں مگر شاعر نہ ہوں۔''

''اماں باولے ہوئے ہو۔'' مجو بھائی نے جواب دیا۔'' ناممکنات کو ممکن ثابت کرنے پر تلے لگتے ہو۔''

''اچھا چلئے۔ میں اپنی شرط نرم کئے دیتا ہوں۔ دو ایسے مہاجر جو بیشک شاعر ہوں' مگر غزل گو نہ ہوں۔''

KitaabPoint.blogspot.com

''برادر تم نے مشکل موضوع پہ ہاتھ ڈالا ہے۔ جواد تم دو ایسے نام بتا سکتے ہو۔''

''مشکل سوال ہے۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔

دروازے کی گھنٹی پھر بجی۔ اور پھر نعمت خان کچن سے نکل کر دروازے کی طرف دوڑا۔ اب کے واپس آیا تو پیچھے پیچھے توصیف صاحب چلے آ رہے تھے۔

''اخاہ' توصیف صاحب۔'' رفیق صاحب اٹھ کر گرمجوشی سے توصیف سے ملے۔

''رفیق صاحب' اچھا ہوا آپ یہاں مل گئے۔ میں صبح سے آپ کو فون کر رہا ہوں کوئی اٹھا ہی نہیں رہا۔''

''صبح ہی صبح بیگم صاحبہ کے کالج جانے کے بعد میں بھی نکل کھڑا ہوا۔ فون کون سنتا۔ مگر خیر تو ہے۔''

''خیر ہی ہے۔ میں جلدی میں ہوں۔ ٹھہروں گا نہیں۔ بس پروگرام سن لیجئے۔''

''اماں' کونسا طریقہ ہے آنے کا۔ ہوا کے گھوڑے پہ سوار آئے ہو۔ بیٹھو' باتیں کرو' چائے پیو۔'' اور اس کے ساتھ ہی مجو بھائی نے نعمت خان کو آواز دی۔ ''اے بھائی نعمت خاں' چائے میں کتنی دیر ہے۔'' اندر سے آواز آئی ''جی بس ابھی لایا۔''

''نہیں مجو بھائی۔ بہت جلدی میں ہوں۔ پروگرام سن لیجئے۔ آج ساڑھے سات بجے شب' نوچندی والوں کی کوٹھی میں.....

''نوچندی والوں کی کوٹھی میں۔'' مجو بھائی نے فوراً بات کاٹی۔

''اماں سیدھی بات کرو۔ تمہارے یہاں' اچھا آگے چلو۔''

''نوچندی والوں کی کوٹھی میں یعنی ہمارے غریب خانے پر' ساڑھے سات بجے شب۔ پہلے سیخ کباب اور پراٹھوں کا پروگرام' پھر مشاعرہ۔''

''کیا سیخ کباب اور پراٹھے اپنے آپ میں خود کفیل نہیں ہیں۔''

''یہی میں کہنے لگا تھا۔'' میں نے تائیدی لہجہ میں کہا۔

''آپ نے غلط سمجھا۔'' مجو بھائی بولے ''اصل پروگرام مشاعرے کا ہے۔ باقی سیخ کباب اور پراٹھوں کا پروگرام' تو یہ تو مشاعرے کے لئے لاسا لگایا ہے۔ سوچ لیں آپ حضرات۔''

''یہ تو بڑی مشکل ہے۔'' رفیق صاحب اور میں نے بیک وقت کہا۔

''کوئی مشکل نہیں۔'' توصیف نے رعایتی اعلان کیا۔ ''مشاعرے کے لئے کوئی زبردستی نہیں ہوگی۔ آپ پراٹھے کباب کے

KitaabPoint.blogspot.com

پروگرام کو عزت بخشنے کے بعد بھی رخصت ہو سکتے ہیں۔ کم از کم آپ دونوں حضرات کے لئے خصوصی رعایت ہوگی۔"

"مگر توصیف میاں۔" مجو بھائی بولے۔ "خدا کا خوف کرو۔ یہ مشاعروں اور کباب پراٹھوں کا زمانہ ہے۔ شہر میں قیامت ٹوٹی ہوئی ہے اور تمہیں یہ عیاشیاں سوجھی ہیں۔"

"مجو بھائی' شاعری اور کباب پراٹھے زمانے کی قید سے آزاد ہیں۔"

"ویسے تقریب اس کی کیا ہے۔" رفیق صاحب نے پوچھا۔

"ہمارے علاقے سے آج کرفیو اٹھا ہے۔ بس اس خوشی میں۔"

"اماں یہ تو عارضی خوشی ہے۔" مجو بھائی بولے۔ "حالات کا کوئی اعتبار ہے روز کوئی ہنگامہ کھڑا رہتا ہے۔ اور خاص طور پر تمہارے علاقے میں۔ کیا پتہ ہے کل پھر ہنگامہ ہو جائے اور پھر کرفیو لگ جائے۔"

"کل کی کل دیکھی جائے گی۔ آج تو کرفیو نہیں ہے نا۔"

"سبحان اللہ' کیا فلسفہ ہے۔" مجو بھائی بولے۔

"مجو بھائی۔" توصیف نے کہا "جینے کے لئے کوئی نہ کوئی فلسفہ تو تراشنا پڑیگا۔ اگر یہ نہیں تو پھر آپ بتا دیجئے کہ کراچی میں زندہ رہنے کا اور کیا نسخہ ہو سکتا ہے۔"

مجو بھائی ہنسے "یار تم نے ہمیں لاجواب کر دیا۔"

"مجو بھائی۔" میں نے کہا "یہ آپ کے تجویز کردہ نسخہ سے کچھ زیادہ مختلف نسخہ تو نہیں ہے۔"

"یار میں تو پہلے ہی لاجواب ہو چکا ہوں۔ تم اپنا حساب بھی اسی وقت چکانا چاہتے ہو۔"

"اچھا۔" توصیف اٹھ کھڑا ہوا۔ "باقی باتیں پھر۔ میں جلدی میں ہوں۔ بس آپ لوگ وقت پر پہنچ جایئے۔ دیر سے آئے تو کباب پراٹھے ٹھنڈے ملیں گے۔"

"مگر میاں مشاعرے میں رنگ کیسے آئے گا۔ لیاقت آباد کے شاعر تو آ ہی نہیں سکیں گے۔ وہاں تو ہنوز کرفیو لگا ہوا ہے۔"

مجو بھائی نے ایسی بات کہہ دی کہ توصیف جاتے جاتے پھر رک گیا۔

"کمال کرتے ہیں مجو بھائی آپ بھی۔ شاعر کو مشاعرے میں آنے سے دنیا کی کونسی طاقت باز رکھ سکتی ہے۔ کرفیو کیا شئے ہے۔"

یہ کہتے کہتے توصیف نے کلائی پر لگی گھڑی پر نظر ڈالی۔ "دیر ہو گئی۔ میں چلا۔" توصیف تیر کی طرح نکل یہ جا وہ جا.....

KitaabPoint.blogspot.com

''اے بھین مجو بھائی' اس نگوڑے نگر میں تو پکی پڑ گئی۔'' بشو بھابی جیسے بھری بیٹھی تھیں۔ ہم جا کر بیٹھے ہی تھے کہ پھٹ پڑیں۔ میں نے دل میں کہا کہ یہ تو کسی لمبے شہر آشوب کی تمہید معلوم ہوتی ہے۔ مجو بھائی نے مجھے کہاں پھنسوا دیا۔ اصل میں ہم گھر سے نکلے تھے میرٹھ کے کباب پراٹھے کھانے کے لئے اور اس کے لئے بھی میں کہاں تیار تھا۔ میں نے مجو بھائی سے صاف کہہ دیا تھا کہ آپ جائیں' بندے کو یہ سودا منظور نہیں ہے۔

''ارے یار کیسی باتیں کر رہے ہو۔ یہ کوئی مہنگا سودا تو نہیں ہے۔ میرٹھ کے پراٹھے کباب سے تمہاری تواضع کی جائے گی۔''

''مہنگا سودا کیسے نہیں ہے۔ ساتھ مشاعرے کی جو نچ لگی ہوئی ہے۔ شاعروں کے لئے تو ٹھیک ہے۔ بلکہ ان کے لئے تو یہ چپڑی اور دو دو کا سودا ہے۔ مگر مجھ جیسے کے لئے جسے شاعری سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔ یہ بہت مہنگا سودا ہے۔''

''یار کوئی پابندی تھوڑا ہی ہے۔ مت سننا مشاعرہ' توصیف نے تو پہلے ہی تمہیں اس شرط سے مستثنیٰ قرار دے دیا ہے۔''

''یعنی پراٹھے کباب کھاؤں اور قیمت ادا کئے بغیر بھاگ نکلوں۔ یہ شرافت تو نہ ہوئی۔''

''تو پھر تھوڑی دیر مشاعرے میں بیٹھنا۔ پھر کوئی عذر کر کے چلے آنا۔''

''نہیں مجو بھائی آپ جائیں۔''

''نہیں یار' یہ نہیں ہو سکتا کہ میں اکیلا پراٹھے کباب کھا کے چلا آؤں۔ میرا ضمیر مجھے ملامت کرے گا۔''

میں نے جب دیکھا کہ مجو بھائی آج مجھے چھوڑنے والے نہیں ہیں تو سوچا کہ چلو جو ہو سو ہو' چلتے ہیں۔ اور مجو بھائی جب مجھے راہ پر لے آئے تو اپنا اصل مقصد ظاہر کیا۔ ''اصل میں جواد میاں' میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ تم بہت اکل کھرے ہو گئے ہو۔ چار آدمیوں میں بیٹھنے سے تمہیں خفقان ہوتا ہے۔ دفتر سے گھر اور گھر سے دفتر' یہ کوئی زندگی ہے۔ تمہیں لوگوں سے ملنا جلنا چاہیے ورنہ ذہنی مریض بن جاؤ گے۔''

''کن لوگوں سے ملوں' یہ تمہارے لوگ مجھے بور کرتے ہیں۔''

''تم ان سے ملتے جلتے نہیں اس لئے بور نظر آتے ہیں' بور ہیں مگر اتنے نہیں جتنا تم سمجھتے ہو۔ جتنے بور ہیں اتنے دلچسپ بھی ہیں۔ اب میں تمہیں ان سے باقاعدہ ملاؤں گا۔''

''اچھا تو یہ لمبا پروگرام ہے۔''

''یونہی سمجھ لو۔ مثلاً آج ہم نکل رہے ہیں تو پہلے ذرا اپنے سید آقا حسن کی طرف جھانکیں گے۔ وہ دونوں میاں بیوی دلچسپ لوگ

KitaabPoint.blogspot.com

ہیں۔ٹیکل لکھنو والے ہیں۔"

مجو بھائی کا شروع سے یہی طریقہ واردات رہا۔ سیدھے تو کبھی چلے ہی نہیں۔ بیچ میں پڑاؤ کرنا' پھر آگے چلنا۔ تو یہ ہمارا پہلا پڑاؤ تھا اور بشو بھابی نے ہمیں ذرا جو دم لینے دیا ہو۔ بس فوراً رواں ہو گئیں۔

"بھابی" مجو بھائی نے کہا۔ "خالی کراچی کا مسئلہ تو نہیں ہے پورے ملک میں یہی کچھ ہو رہا ہے۔"

"بھائی مجید الحسینی' آپ نے بجا ارشاد کیا۔ یہ آشوب تو ملک گیر ہے۔" سید آقا حسن نے اپنے ثقہ لہجہ میں مجو بھائی کی تائید کی" یہی ہم آپ کی بھاوج کے گوش گزار کرتے رہتے ہیں کہ قبلہ آپ خالی کراچی کے لئے کڑھتی ہیں۔ پورے ملک کا نقشہ ابتر ہے۔ طوائف الملوکی کا دور دورہ ہے۔ وضیع دولت میں کھیلتے ہیں۔ شرفا نان شبینہ کو محتاج ہیں۔ طرہ یہ کہ نہ جان محفوظ ہے نہ مال محفوظ۔"

"وہ تو ٹھیک ہے کہ سارے پاکستان میں تراہ تراہ پڑی ہے۔" بشو بھابی نے اپنی بات کو زور دے کر دہرایا۔ "مگر اے بھین' کراچی میں جو ہو رہا ہے وہ تو کبھی دنیا کے پردے پہ نہ ہوا ہوگا۔ کوئی گھر محفوظ ہی نہیں۔ ارے جن کے گھروں میں الغاروں پیسہ ہے ان کے گھر شوق سے کول لگاؤ' ڈاکے ڈالو' شریفوں کو تو بخش دو۔ اچھی بی کے گھر میں کونسی روکڑ رکھی تھی۔ کلموئے ہواں بھی آن کودے۔"

"اچھا۔" مجو بھائی مجو بھائی چونکے۔ "اچھی بی کے یہاں چوری ہو گئی۔"

"اے بھین' تمہیں پتہ نہیں ہے۔"

"نہیں' مجھے تو بالکل علم نہیں تھا۔"

"میں کہتی ہوں کہ پھر بھی خیریت گزری کہ جان بچ گئی۔ اب تو مال کے ساتھ جان بھی جاتی ہے۔ تم جانو کہ میں تو یونہی ہوا تو' میں نے سنا تو میرے تو ہوش اڑ گئے۔ فوراً ٹیکسی کر کے ہلتی کانپتی ان کے گھر پہنچی۔ انہیں جیتا دیکھ کے جان میں جان آئی۔"

"کتنا نقصان ہوا۔"

"بھین نقصان کی بات جانے دو۔ آخر اچھی بی دلی والی ہیں۔ کچی گولیاں کھیلی ہوئی نہیں ہیں۔ ایسی دھتا بتائی کہ کلموئے چلتے پھرتے نظر آئے۔ مگر بھین میں یہ پوچھوں ہوں کہ کراچی میں یہ ہو کیا رہا ہے۔ ارے چوری چکاری تو دنیا میں ہوتی آئی ہے۔ ڈاکے بھی پرانا دستور ہیں۔ تایا حضور بتایا کرت تھے کہ ان کے فیض آباد میں ایک دفعہ ایسا ڈاکہ پڑا تھا کہ بسنت محل والوں کے یاں جھاڑوں دل گئی تھی۔ موت کے لئے جھاڑ فانوس تک اتار کے لئے گئے تھے۔ تایا حضور سنایا کرتے تھے کہ کلھاڑوں سے لیس آئے تھے اور گوہ

KitaabPoint.blogspot.com

اور رسے ساتھ لائے تھے۔ مٹی گوہ کو تو تم جانو ہی ہو۔ دیوار سے ایسی چپکتی ہے جیسے اسے کسی نے گوند سے چپکا دیا ہو۔ اس کے پنجے میں رسی باندھی اور اچھال کے فصیل سے چپکا دیا۔ جب ہی تو وہ بسنت محل کی اونچی فصیل پہ ایسی آسانی سے چڑھ گئے۔ مگر یہ تو ہمارے ہوش سے پہلے کی باتیں ہیں۔ اب جو ہمارے ہوش میں ہو رہا ہے اسے سن سن کر تو ہوش اڑے جا رہے ہیں۔ ارے کون ہیں یہ ہیضے کے لئے۔ حضرت عباس کا علم ٹوٹے ان پہ۔ یا شیر خدا' کیا دیر لگائی ہے۔ فنا کیوں نہیں کر دیتے انہیں۔"

"ہاں شیر خدا ہی مدد کرنے کو آئیں' ان حاکموں سے تو کوئی توقع رکھنا عبث ہے۔"

"ارے میں تو پانچوں وقت مولا مشکل کشا کو پکارتی ہوں کہ ہماری مشکل کشائی کرو۔ ان چوروں ڈاکوؤں سے ہماری گلو خلاصی کراؤ۔ انہیں ہیضے کی کلی آئے۔ انہوں نے تو آفت بورکھی ہے۔ انہیں ذرا جو خوف خدا ہو۔ ارے آگے جو ڈاکو ہوا کرتے تھے ان کے یہاں کچھ خدا رسول کا خوف ہوتا تھا۔ اب جیسے ہمارے ادھر کا سلطانہ ڈاکو تھا۔"

"سلطانہ ڈاکو۔" آقا حسن کی آنکھوں میں چمک آ گئی۔ "اس کی کیا بات تھی ایسے ڈاکو اب کہاں۔"

"غریب بدنام ہو گیا تھا۔ ویسے تو بڑا خدا ترس تھا۔" بشو بھائی رکیں۔ پھر کہنے لگیں "اس نجنتی دنیا کا یہ عجب دستور ہے کہ بدا چھا بد نام برا۔ اندر کچھ بھی کرتے رہو' بس اوپر سے پردہ ڈالے رکھو۔ جو ایسا نہ کرے اسے آنکھوں دانتوں پہ چڑھا لیتے ہیں۔ وہ بیچارہ اور کیا کرتا تھا' یہی کہ امیر کے گھر میں جھاڑو دے دی۔ جا کے غریب کا گھر بھر دیا۔ ارے کتنی غریب بیٹیوں کے تو اس نے جہیز تیار کرا دیئے۔ بس پتہ لگنے کی دیر تھی کہ کس گھر میں دھی ماں کے کولھے سے لگی بیٹھی ہے۔ پھر چاہے چوری کرنی پڑتی چاہے ڈاکہ ڈالنا پڑتا' جہیز کا بندوبست کر دیتا تھا۔ مگر آج کل کے ڈاکو' ان کمبختوں کے تو دل پتھر کے ہیں۔

"بھابی" مجو بھائی بولے "ویسے تو آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ مگر ڈاکو بہر حال ڈاکو ہی رہتا ہے۔"

"اے بھین' اس سے تو میں انکار نہیں کر رہی۔ ڈاکو فرشتہ بھی بن جائے رہے گا تو وہ ڈاکو ہی۔ مگر میں تو یہ کہہ رہی ہوں کہ یہ نئے نئے ڈاکو نکلے ہیں' یہ کمبخت ڈاکو بھی تو نہیں ہیں' اٹھائی گیرے ہیں۔ بندر کے ہاتھ میں استرا۔ کہیں سے بندوقیں ان کے پاس آ گئی ہیں۔ وہ مستعدی سے چلاتے ہیں۔ نہ یہ دیکھتے ہیں کہ کس پہ چلا رہے ہیں نہ یہ سوچتے ہیں کہ کس گھر میں گھس رہے ہیں۔ ان پہ آسمان ٹوٹے' خون حسین کی مار پڑے' ہمارے قبلہ لڈن صاحب کے گھر میں کود پڑے سینے پہ بندوق رکھ کے ان کی ساری جمع جتھا سنگھوالی۔ پھر بھی تسکین نہیں ہوئی۔ ایک کہنے لگا کہ قبلہ' آپ نے تو بہت مایوس کیا۔ مولویوں کے گھروں میں تو بہت دولت ہوتی ہے۔ اچھا خیر' آپ کو ذری زحمت تو ہو گی۔ آپ مجھے تعویذ دے دیں۔ قبلہ نے پوچھا' کس بات کا تعویذ' کمبخت نے کس عاجزی سے کہا۔ قبلہ کیا

KitaabPoint.blogspot.com

عرض کروں' پریشان رہتا ہوں۔ پھر خالی کا خالی۔ کوئی ایسا تعویذ لکھ دو کہ خیر برکت ہو۔'' منہ بنا کر بولیں ''خیر برکت ہو وہ منہ جھلسے سے پوچھو کہ کبھی چوری ڈکیتی کی آمد میں بھی خیر برکت ہوئی ہے۔''

بشو بھابی کے لئے یہ بیان گویا قچی تھا۔ پھر شروع ہو گئیں۔ ''اجی تم دن دیہاڑے لٹنے کی بات کر رہے ہو یہاں دن دیہاڑے جوان جہان آدمی اٹھا لئے جاویں ہیں۔ اور کوئی سانس ڈکار تک نہیں لیتا۔ ہمارے لکھنو میں تو ہمارے ہوش میں بس ایک دفعہ وار دات ہوئی تھی کہ ہوڑے سنسان دوپہری میں گلی میں کھیلتے ایک بچہ کو اٹھا لے گئے تھے۔ اس پر سارے لکھنو میں تراہ تراہ پڑ گئی تھی۔ وہ تو پھر بچہ تھا اور اسے بھی زبردستی تھوڑا ہی اٹھایا تھا۔ ان جنم جلوں کے پاس ایک شیشہ ہووت تھا۔ جس بچے کو دکھاتے وہ خود ہی ان کے ساتھ چل پڑتا۔ اب تو یہ قہر ٹوٹا ہے کہ لاٹھ جیسا آدمی' اسے پکڑ دھکڑ کے موٹر میں ڈالا اور اڑ چھو ہو گئے۔''

سید آ قا حسن نے ان ساری تفصیلات کو سمیٹ کر ایک عمومی سوال کی شکل دے دی۔ ''بھائی مجید الحسینی' حالات تو بہت ابتر ہیں۔ آخر الامر کیا ہو گا۔''

مجو بھائی ایک بے فکرے آدمی۔ بھلا پتھر میں بھی جونک لگی ہے۔ بشو بھابی اور سید آ قا حسن نے کس تشویش کے ساتھ یہ ساری باتیں کی تھیں اور انہوں نے کس بے فکری سے جواب دیا ''جو اوپر والے کو منظور ہے۔''

''اوپر والے کو کیا منظور ہے یہ تو اوپر والا ہی جانے۔ مگر اوپر والے نے نیچے والوں کو بھی تو تولہ ماشہ عقل عطا کی ہی ہے۔ آخر کچھ حضور کے دھیان بھی تو پڑتی ہو گی کہ کیا ہونے والا ہے۔''

''عالی جاہ' حالات بھی تو مشکل ہیں۔ عزیز آپ ہی بتائیں' ہم منصفی کے لئے کس کے پاس جائیں۔ یہاں والوں کو کیا پتہ کہ ہم نے کتنے رنج اٹھائے ہیں۔ ہر جا مرج کھینچ کر کالے کوسوں یہاں آئے۔ یہاں پہ آ کے نئے نئے پیچ پڑ گئے۔ تو بندہ پرور' ہم نے آپ سے یہی تو پوچھا ہے کہ آگے حضور کو کیا نظر آتا ہے۔''

''سمندر''۔ مجو بھائی نے پھر اسی بے فکری سے جواب دیا۔ سید آ قا حسن کچھ سمجھے' کچھ نہ سمجھے۔ پھر کچھ کہنے لگے تھے کہ بشو بھابی پھر بیچ میں بول پڑیں۔ ''اجی یہ تم کیا اپنی الھا اوول لے کے بیٹھ گئے۔ مجھے ذرا مجو بھائی سے بات کرنے دو۔ اے بھین مجو بھائی سے بات کرنے دو۔ اے بھین مجو بھائی' یہی تو بتاؤ کہ یہ تمہارے میرٹھ والے پیچھے سے کیا ہیں۔''

اور مجو بھائی اس سارے دوران پہلی مرتبہ تھوڑے سٹپٹائے ''پیچھے سے کیا ہیں۔ آدمی کے بچے ہیں' اللہ کی مخلوق ہیں' کھاتے پیتے لوگ ہیں' شریف ہیں۔''

KitaabPoint.blogspot.com

''شریف ہیں۔ اچھا؟'' بشو بھابی نے تامل کیا۔ پھر بولیں ''میرٹھ کی ایک بی بی ہمارے گھر آئی تھی۔ وہ تو کہتی تھی کہ یہ لوگ پیچھے سے قینچیوں والے ہیں اور ذات کے کمبوہ۔ اے بھیا میں تو حق دق رہ گئی۔ اس روز سے تو میری نیند اڑ گئی۔ مجو بھائی' جناب امیر کی قسم جب ہم لکھنو سے نکلے تھے تو ہمارے سان گمان میں بھی یہ نہیں تھی کہ کراچی جا کے ہماری بٹیا قینچیوں والوں میں جائے گی اور سادات میں کمبوہ کا پیوند لگے گا۔''

مجو بھائی اب بالکل ہی بوکھلا گئے۔ صفائی میں بولے ''بشو بھابی' آپ کس کے کہنے میں آ گئیں۔ آپ تو مجھ سے زیادہ جانتی ہیں کہ جب رشتہ کی بات چلتی ہے تو باتیں کرنے والے سو طرح کی باتیں کرتے ہیں۔''

''مجو بھائی' صاف بات ہے۔ ہم تو تم پہ اعتبار کر کے ہاں کرنے لگے تھے۔''

سید آقا حسن نے بات کو آگے بڑھایا اور بولے ''عالی جاہ' ویسے تو اس رشتہ میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی۔ مگر صاحبزادے کا طور دیکھ کر طبیعت پہ تھوڑا ملال ضرور آیا۔''

''اچھا۔'' مجو بھائی نے فکر مند ہو کے پوچھا۔ ''توصیف سے آپ کی شان میں کوئی گستاخی ہوئی۔''

''نہیں نہیں' ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ویسے تو ماشاء اللہ برخوردار عقلمند سعادت مند ہے۔ مگر ایسا لگتا ہے کہ صاحبزادے نے قد جلدی نکال لیا۔ باقی مذاق سخن کی بات تو ہم درمیان میں لاتے ہی نہیں۔ اس شہر میں ہم نے مذاق سخن کا یہ حال دیکھا ہے کہ قافیہ ردیف سے بے نیاز شاعری پر بھی لوگ سبحان اللہ کا کلمہ زبان پر لاتے ہیں۔ ہم یہ سوچ کر صبر کر لیتے ہیں کہ یہ لکھنو تو ہے نہیں۔ یہاں کی زمین اور ہے فلک اور ہے۔ بد مذاقی کا شکوہ بیجا ہے۔ سو ہم توصیف میاں کے ذوق پر بھی کیوں انگشت نمائی کرنے لگے۔ بس طبیعت کو قدرے ملال ہوا۔''

مجو بھائی نے تشفی امیز لہجہ میں کہا ''بھائی اقن' آپ دل پہ ملال نہ لائیں۔ میں ابھی ادھر ہی جا رہا ہوں۔ موصوف کی مزاج پرسی کروں گا۔ باقی بشو بھابی آپ سے بھی میری گزراش یہ ہے کہ دوسروں کی باتوں میں نہ آئیں اور جلدی کوئی فیصلہ نہ کریں۔ بیشک آپ اپنے اطمینان کے لئے دل بھر کے چھان بین کر لیں۔''

''بھیا ہم نے ابھی انکار نہیں کیا ہے۔ آخر تم بیچ میں ہو۔ اور تم پہ ہمیں بے اعتباری تھوڑا ہی ہے۔ پھر بھی اس نگوڑی میرٹھ والی نے جو دل میں وسوسہ پیدا کر دیا ہے تو تھوڑی چھان بین تو کرنی ہی پڑے گی۔''

مجو بھائی نے عافیت اسی میں جانی کہ یہاں سے جلدی سے چھوٹ لیں۔ سو جلدی ہی کھڑے ہو گئے۔